نماز — مؤمن کی معراج

تحریر: حافظ محمد سلیمان

حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضورِ پاک ﷺ حجرۂ مبارک میں تشریف فرما ہوتے، باتیں ہو رہی ہوتیں، ایسے میں جب نماز کا وقت آ جاتا، آپؐ اذان سنتے تو یک بیک کیفیتِ مبارکہ یہ ہو جاتی گویا ہمارے ساتھ، بلکہ کسی کے ساتھ بھی، کوئی جان پہچان ہی نہیں۔ یہ بھی روایت ہے کہ جب کوئی مشکل درپیش آ جاتی تو آپؐ پہلا کام یہ کرتے کہ نماز ادا فرماتے کہ نماز ہی آپؐ کے لئے راحتِ جاں تھی۔ مسجدِ نبوی کے مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ارشاد ہوتا: ''اَرِحْنَا یَا بِلَالُ'' (بلال! نماز کے لئے بلاوا دے کر ہمیں راحت دو!) یہ تو آپؐ کے احوالِ عالیہ کا ذکر ہے کہ نماز کیفِ حضوری کا ذریعہ، حل مشکلات کا وسیلہ، آنکھوں کی ٹھنڈک اور راحتِ جاں ذاتِ مبارکہ کے لئے تھی۔ عام مؤمنوں کے لئے بھی ارشاد ہوا ''نماز بندے اور اس کے ربّ کے درمیان سرگوشی ہے''۔ اذان میں نماز کو فلاح قرار دیا گیا ہے۔ یہ بھی فرمایا گیا کہ بندہ خدا سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ میں اپنا سرخم کر رہا ہوتا ہے۔ حد یہ ہے کہ ارشاد ہوا:

((اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ))

''نماز مؤمنوں کے لئے معراج کا درجہ رکھتی ہے''۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

کہے ہے ہر کوئی اللہ میرا
عجب نسبت ہے بندے میں، خدا میں!

بندے اور خدا میں نسبت کا حال واقعی عجب ہے۔ یہ سب سے قدیمی (عہدِ اَلَست والی) اور سب سے پائیدار (ابد الآباد تک قائم رہنے والی) واحد نسبت ہے۔ یہ نسبت

ربوبیت اور عبدیت کی تو ہے ہی' اس کے ساتھ ساتھ یہ نسبت اپنائیت کی' معیّت کی اور قربت کی بھی ہے۔قرآن پاک میں ہے:

﴿وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط﴾ (البقرۃ:۱۸۶)

''جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو کہہ دیجئے کہ میں قریب ہی ہوں''۔

سوال یہ پیدا ہوا کہ کتنا قریب؟ اس کا جواب یوں دیا گیا:

﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾ (ق:۱۶)

''اور ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں''۔

انسان جتنا زیادہ خدا رسیدہ ہوتا ہے اتنا ہی اس کی قربت کو' معیّت کو' حضوری میں ہونے کو محسوس کرتا ہے۔وہ ہر وقت خدا کو اپنے ساتھ محسوس کرتا ہے۔غارِ ثور میں' سفرِ ہجرت کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صدّیقِ اکبرؓ سے فرمایا تھا:

﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ج﴾ (التوبۃ:۴۰)

''غم نہ کرو' یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے''۔

جیسے بچّہ ہر وقت ماں کی نگاہوں میں ہوتا ہے اور وہ اس کا ہر طرح خیال رکھتی ہے' اس کا تحفظ کرتی ہے' اس سے بے حد و حساب زیادہ خیال خدا اپنے بندوں کا رکھتا ہے۔ حضور ﷺ سے فرمایا گیا:

﴿وَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا......﴾ (الطور:۴۸)

''اپنے ربّ کے حکم کے لئے صبر کیجئے! آپؐ تو (ہر وقت) ہماری نظر میں ہیں''۔

میر ولی الدّین اپنی کتاب ''قرآن اور تعمیرِ سیرت'' میں ''قرآن اور علاجِ خوف'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''بعض عارفین کی جیب میں یہ آیت لکھی رہتی تھی۔خوف و مصیبت کے وقت اس پر نظر ڈالتے' حضور و معیتِ حق کا ادراک کرتے اور محض اس ادراک سے کہ حق تعالیٰ ہماری اس مصیبت کو جانتے ہیں' دیکھ رہے ہیں' جھومتے اور رقص کرتے''۔

احساسِ معیّتِ الٰہی کا یہ اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ بہرحال انسان کی تخلیق اسی لئے

ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ''یومِ اَلَست'' کو کیے گئے عہد کا ایفا کرے اور خدا کے ساتھ عبدیت کا رشتہ استوار کرے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (الذّٰریٰت:۵۶)

''میں نے جِنّوں اور انسانوں کو صرف اپنی بندگی کے لئے پیدا فرمایا ہے''۔

افسوس! صد افسوس! صد ہزار بار افسوس! کہ ہم عارضی انسانی رشتوں اور فانی اشیاء کے جھمیلوں میں اتنا کھو جاتے ہیں' زندگی کی بھیڑ میں اتنا گم ہو جاتے ہیں کہ خدا کی یاد سے غافل ہو جاتے ہیں اور ہماری حالت اس بچّے کی سی ہو جاتی ہے جو میلے کی گہما گہمی' رونق اور تماشوں میں اتنا محو ہو جائے کہ باپ کی انگلی چھوڑ دے' پھر اسے اپنے گھر کا راستہ یاد نہ آئے اور وہ پریشان حال اور آشفتہ خاطر پھرے۔

اللہ تعالیٰ کی یاد ہی سے اطمینانِ قلب نصیب ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ (الرعد:۲۸)

''دل تو اللہ کی یاد ہی سے اطمینان پاتے ہیں''۔

جو آدمی خدا کو بھلا بیٹھے' غفلت میں مبتلا ہو جائے' اس کے متعلق ارشاد ہوا:

﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا......﴾ (طٰہٰ:۱۲۴)

''جو میری یاد سے مُنہ پھیرے اس کے نصیب میں آشفتہ حال زندگی ہی ہوتی ہے''۔

اور ایسی زندگی کس کام کی؟ بقولِ شاعر ؎

زندگی دل کا سکوں چاہتی ہے
رونقِ شہرِ سبا کیا دیکھیں!

اور دل کا سکون تو اُسی وقت حاصل ہوتا ہے جب اس میں صرف اور صرف خدا کی یاد ہو۔ کسی عارف نے کیا خوب کہا ہے:

''خوب سن لو کہ دلوں کو چین اور اطمینان صرف اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہی میسر ہوتا ہے۔ پس قلب ایک شاہی محل ہے جس میں صرف شہنشاہِ حقیقی ہی سکونت کر سکتا ہے۔ دل کوئی بھٹیار خانہ تو نہیں کہ جس کو چاہو ٹھہرا لو۔ اگر ٹھہراؤ گے تو اس کے نزدیک ظالم اور گستاخ سمجھے جاؤ گے''۔

بندہ ہونے کی حیثیت سے ہماری سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم غفلت سے بچیں، اللہ کو یاد رکھیں، اسے یاد کریں (ذکر کے یہ دونوں معانی ہیں) اور سب کچھ بھول جائیں تو بھول جائیں مگر اللہ کو کبھی نہ بھولیں۔ حضرت بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا:

جندے نیں تینوں ربّ نہ بُھلّے، دعا فقیراں ایہا
ربّ نہ بُھلّے ہور سب کچھ بُھلّے، ربّ نہ بُھلّن جیہا

''میری پیاری جان! فقیروں کی دعا تو یہی ہے کہ تجھے ربّ نہ بھولے۔ اور سب کچھ بھول جائے تو بھول جائے، لیکن خدا نہ بھولے (کیونکہ) خدا بھولنے کی چیز نہیں ہے''۔

حضرت خواجہ فرید رحمۃ اللہ علیہ نے غفلت سے بچنے کی تلقین یوں فرمائی:

خاموش فرید اسرار کنوں
چپ بے ہودہ گفتار کنوں
پر غافل تھی نہ یار کنوں
ایہو لاریبی فرمان آیا!

''فرید! بھید کی باتیں بیان کرنے سے باز ہی رہو اور بے ہودہ گفتار کرنے سے گریزاں رہو۔ لیکن بہر حال دوست (خدا) کی یاد سے غافل نہ رہو۔ بے شک حکم اسی بات کا دیا گیا ہے''۔

حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے ورِدِ زبان اکثر یہ شعر رہتا۔

کسے کو غافل از حق یک زماں است
دراں دم کافر است اما نہاں است

''جو شخص ایک لمحہ کے لئے بھی خدا سے غافل ہو جاتا ہے وہ اُس وقت کفر (نافرمانی) کا ارتکاب کر رہا ہوتا ہے، اگرچہ یہ کفر بظاہر نظر نہیں آتا''۔

باب الاسلام سندھ کے ہفت زبان صوفی شاعر حضرت سچل سرمست رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

جو دم غافل سو دم کافر سانوں ایہہ فرمایا

''ہمیں یہی حکم کیا گیا ہے کہ جو سانس بھی غفلت میں گزرے وہ حالت کفر (نافرمانی) میں گزرتی ہے''۔

نماز کیا ہے! غفلت کی بیماری کا ایک شافی' مجرب اور تیر بہدف علاج ہی تو ہے۔ نماز ذکر ہی تو ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ۝﴾ (طٰهٰ: ١٤)

''میرا ذکر کرنے کے لئے نماز قائم کیا کرو''۔

نماز اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کی' یاد رکھنے کی بہترین ضمانت ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے دریافت فرمایا: ''اگر کسی کے دروازے کے آگے سے نہر بہتی ہو اور وہ اس میں پانچ مرتبہ روزانہ غسل کرے تو کیا اُس (کے جسم) پر کوئی میل باقی رہ جائے گی؟'' عرض کیا گیا: ''جی نہیں''۔ ارشاد ہوا: ''اسی طرح نماز کا حال ہے''۔ گویا دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھنے سے اتنی ہی بار روحانی غسل ہو جاتا ہے۔ اور روح پر سے غفلت کی میل کچیل دُور ہو جاتی ہے۔

روزانہ آٹھ پہروں میں وقفے وقفے سے پانچ بار خدا کا بلاوا آتا ہے۔ یاد دہانی ہوتی ہے کہ دنیا کی گہما گہمی میں اپنے خدا کو نہ بھول جاؤ' غفلت میں نہ پڑ جاؤ' اپنے اصلی اور دائمی گھر کو فراموش نہ کر دو' عارضی اور وقتی پڑاؤ کو منزل نہ سمجھ بیٹھو۔ نماز تو گویا ایک کھڑکی ہے جو اِس دنیا کی تنگ و تاریک کوٹھڑی سے خدا تعالیٰ کے وسیع' روشن اور پُر رونق صحن میں کھلتی ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا:

دوزخ است آں خانہ کو بے روزن است
اصلِ دین اے بندہ روزن کردن است!

''ایسا گھر جس میں ایک بھی کھڑکی نہ ہو' دوزخ ہی تو ہے۔ دین کی اصلیت اور حقیقت تو صرف اتنی ہے کہ حیاتِ مستعار کے عالمِ تنگ و تاریک سے حیاتِ اُخروی کے وسیع تر جہان کی جانب ایک کھڑکی کھول دی جائے''۔

یوں بھی ایک فانی انسان کو زیب نہیں دیتا کہ اس دو روزہ زندگی پر غرّہ کر کے خدا سے غافل ہو جائے۔ آدمی تو پانی کا بلبلہ ہے۔ علامہ اقبال نے فرمایا تھا:

قلزمِ ہستی سے تُو اُبھرا ہے مانندِ حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی!

حیاتِ دُنیوی کی ناپائیداری کے بارے میں کسی نے کہا تھا:

کیا بھروسہ ہے زندگانی کا
آدمی بلبلہ ہے پانی کا!

کچھ مضامین ہیں جن کی قرآن مجید میں بہت زیادہ تکرار کی گئی ہے۔ ان میں سے ایک انسانی زندگی کی فنا پذیری ہے۔ مثلاً قرآن حکیم میں یہ الفاظ تین بار آئے ہیں:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ (آل عمران:۱۸۵)' (الانبیاء:۳۵)' (العنکبوت:۵۷)
''ہر جان موت کا ذائقہ چکھ کر رہے گی''۔

کسی پنجابی شاعر نے کم وبیش اسی مفہوم کو یوں ادا کیا ہے:

''اوڑک ٹُٹناں ایس پتنگ نیں بھاویں چڑھ جاوے اساناں نوں!''
''یہ پتنگ خواہ اتنی بلند اڑے کہ آسمان تک پہنچ جائے' آخر اس نے ٹوٹنا ہی ٹوٹنا ہے''۔

حضرت مجذوبؒ یوں فرماتے ہیں:

ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم
رفتہ رفتہ' چپکے چپکے' دم بدم
قبر میں میّت اترنی ہے ضرور
جیسی کرنی ' ویسی بھرنی ہے ضرور!
کر لے جو کرنا ہے' آخر موت ہے
ایک دن مرنا ہے' آخرت موت ہے!

قرآن مجید میں موت کے اٹل ہونے کا ذکر ایک اور جگہ بڑے زوردار انداز میں کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿أَيْنَ مَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ﴾ (النساء:۷۸)
''تم جہاں کہیں بھی ہو موت تمہیں آ لے گی خواہ تم بڑی ہی مضبوط عمارتوں میں کیوں نہ ہو''۔

مشہور شاعر، فلسفی اور ریاضی دان عمر خیام نے کم وبیش اسی مضمون کو اپنے لفظوں میں یوں بیان کیا ہے: (فارسی سے ترجمہ)

''نیشاپور ہو یا بابل!
جام مئے شیریں سے لبریز ہو یا مئے تلخ سے
صہبائے زندگی قطرہ قطرہ ٹپکتی رہتی ہے
برگِ حیات ایک ایک کر کے گرتے رہتے ہیں''

حدیث پاک ہے:

((اَحْبِبْ مَنْ شِئْتَ فَاِنَّکَ مُفَارِقُہٗ))

''جس سے چاہو پیار کرو' آخر تم نے اس سے جدا ہونا ہے''۔

بیوی' بیٹے' بیٹیاں' بہن' بھائی' ماں' باپ یا تو انسانوں کے ہاتھوں لحد میں اتر جاتے ہیں اور یا پھر انسان خود اُن کے ہاتھوں سپردِ خاک ہو جاتا ہے اور مال بھی کب کسی کا ساتھ آخر تک دیتا ہے۔ بنگلے' بینک بیلنس' کارخانے' مربعے' باغ اور لشکارے مارتی ہوئی کاریں قبر سے ادھر ہی وارثوں کے لئے (اِلّا ماشاء اللہ) تنازعے' جھگڑے اور مقدمے بازی کا موجب بن جاتے ہیں۔ موت سارے رشتوں کو توڑ دیتی ہے' ساری وابستگیوں کو ختم کر دیتی ہے اور آخر میں اس حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ ''رہے نام اللہ کا!'' تو پھر کیوں نہ اسی ہمیشہ باقی رہنے والی ذات کے ساتھ پکا سچا تعلق جوڑا جائے' اس کے بلاوے پر جو روزانہ پانچ وقت اذانوں کی صورت میں گونجتا ہے' لبیک کہا جائے اور اپنا سرِ نیاز اس کے در پر خم کیا جائے کہ اسی میں ہماری بھلائی ہے' اسی میں ہماری فلاح ہے' آخرت میں ہی نہیں اس دنیا میں بھی۔

بیان کیا گیا ہے کہ ایک عارف سے کسی نے پوچھا ''کیا یہ سچ ہے کہ نماز پڑھنے سے آخرت میں جنّت حاصل ہو گی؟'' اس نے کہا ''غافل! اگر تو نماز کی اہمیت اور حضورِ قلب سے واقف ہو جائے تو یہ راز تجھ پر منکشف ہو جائے کہ نماز ہی جنّت ہے اور وہ مؤمن کی معراج ہے''۔

آخر میں ایک نہایت ضروری انتباہ ! نماز مؤمن کی معراج تو ہے مگر حضورِ پاک ﷺ کی سنّت کی پیروی میں' اُن صاحب کی اتّباع میں نہیں جنہوں نے کہا تھا ''آپ تو معراج پر تشریف لے گئے' حضوری کا شرف حاصل کیا مگر واپس اسی مادی دنیا میں آ گئے' میں جاتا تو کبھی واپس نہ آتا' وہیں کا ہو رہتا (اَوکما قال)''۔ مؤمن تو تکبیرِ تحریمہ کہہ کر خدا کے ساتھ سرگوشی کی لذّت سے فیض یاب ہوتا ہے' معراج کے روحانی سفر میں عرش تک چلا جاتا ہے' مگر پھر اپنے پیارے نبی ﷺ کی پیروی میں فرش پر واپس آتا ہے اور واپس آنے کی علامت کے طور پر معاشرے میں اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر نماز کا اختتام کرتا ہے اور اس طرح دوبارہ معمول کی عائلی' سماجی اور معاشی ذمہ داریوں کو احسن طریقہ سے نبھانا' نیز اس کے علاوہ اقامتِ دین کی اضافی (اور اُمّتِ مسلمہ کی خصوصی) ذمہ داریوں کو سرانجام دینا شروع کر دیتا ہے۔ بدھ مت کے بالکل برعکس اسلام اپنے پیروؤں کو ایسے تارک الدنیا بھکشو نہیں بناتا جو عائلی' معاشرتی اور معاشی ذمہ داریوں سے بھاگیں اور معاشرہ پر بوجھ یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے الفاظ مبارکہ میں عیالا عَلَی المسلمین ہوں۔ آپؓ کے عہد مبارک میں کچھ زیادہ ہی ''متوکّل'' لوگوں نے معاشی جِدّوجُہد ترک کر کے ''نَحْنُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ عَلَى اللهِ'' (ہم تو اللہ پر توکّل کرنے والے ہیں) کا نعرہ لگانا شروع کر دیا تو آپؓ نے اس غیر اسلامی رجحان کو ختم کرنے کے لئے انہیں کوڑے لگوائے۔ یہ نہایت ضروری تعزیر تھی' کیونکہ یہ لوگ قرآنی احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ سورۃ الجمعہ میں جہاں یہ حکم ہے کہ:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ﴾ (الجمعۃ:۹)

''جب جمعہ کی نماز کے لئے اذان ہو جائے تو خرید و فروخت (اور دوسرے کاروبار) چھوڑ کر اللہ کے ذکر کی طرف بھاگ کر آؤ''۔

وہاں ساتھ ہی یہ حکم بھی ہے کہ:

﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ......﴾

(الجمعة: ۱۰)

''جب نماز ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل کی تلاش کرو''۔

انہی معنوں میں حدیثِ مبارکہ ہے:

((طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ)) (رواه البيهقي في شعب الايمان)

''حلال روزی کمانا فرض (نماز) کے بعد فرض ہے''۔

حضور پاک ﷺ نے اپنے ایک محنت کش صحابی کے ان ہاتھوں کو فرطِ محبّت سے چوما تھا جن پر کسبِ حلال کے دوران گٹے پڑ گئے تھے۔ سورۂ مزّمّل میں جہاں ﴿وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا﴾ (آیت ۸) کا حکم ہے اور نصف یا کم و بیش رات کے قیام کے لئے ارشاد فرمایا گیا ہے (آیت ۲'۳) وہاں کسبِ حلال یا ابتغاء فضلِ اللہ کے لئے زمین میں سفر کرنے والوں اور (اقامتِ دین کے لئے) جہاد کرنے والوں کا بھی ذکر ہے۔ (المزمل: ۲۰) دین و دنیا کا یہ حسین امتزاج' خدا کے ساتھ گہرے اور دائمی تعلق کے ساتھ ساتھ معاشرتی روابط اور ذمہ داریوں کا شدید احساس اور تکمیل اسلامی تعلیمات کا امتیازی پہلو ہے۔ دوسری ثقافتوں میں ایسی کامل اور کثیر الجہات شخصیتوں کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جو اسلام نے پیدا کیں اور تا قیامت پیدا کرتا رہے گا۔ دوسری تہذیبوں میں پرورش پانے والے لوگوں کے لئے یہ بڑی اچنبھے کی بات ہے کہ ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو دنیا کے دروازے کو دین کی چابی سے کھولیں۔ اقبال نے حضور ﷺ کے کارنامے کا یوں تذکرہ کیا تھا کہ ؏ از کلیدِ دیں درِ دنیا کشاد! بہرحال یہی اسلام کا معجزہ اور نصب العین ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن و سنّت کی تعلیمات پر عمل کر کے دنیا و آخرت میں کامیابیاں حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

●●●